رپورٹنگ : جیفری گولڈبرگ (امریکہ)
ترجمہ : سید عرفان علی یوسف (کراچی)

جامعہ حقانیہ : پاکستانی جہاد فیکٹری ؟

دارالعلوم حقانیہ کے بارے میں "نیویارک ٹائمز" سنڈے میگزین کی تفصیلی رپورٹ اور جائزہ

امریکہ اور مغرب' پاکستان کے دینی مدارس' جہادی تنظیموں اور افغانستان کے طالبان کے بارہ میں مسلسل منفی پروپیگنڈہ' بے سروپا الزامات اور خدشات پھیلانے میں مصروف ہیں۔ افغانستان اور ایران کے انقلابات اور اسلامی دنیا میں جہاد کی لہروں سے مغربی دنیا میں دینی مدارس اور پاکستان کی مذہبی شخصیات اور تنظیموں کے بارے میں تحقیق و تجسس کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہے۔ اس ضمن میں پاکستان کی معروف دینی بین الاقوامی یونیورسٹی جامعہ حقانیہ میں مغربی صحافیوں اور سکالرز کا جامعہ کے سربراہ مولانا سمیع الحق سے انٹرویوز' بحث و مباحثے انکا خاص مشغلہ بنا ہوا ہے۔ حال ہی میں امریکہ کے معروف اخبار نیویارک ٹائمز کے سرکردہ صحافی "جیفری گولڈبرگ" نے جامعہ حقانیہ کے کئی دورے کئے۔ جامعہ کے مہتمم مولانا سمیع الحق سے کئی بار انٹرویو کیا' طلبہ سے بات چیت کی۔ اور تمام شعبوں کا گہری نظر سے معائنہ کیا۔ واپس جاکر اپنے تاثرات کا ایک طویل جائزہ اور روداد مرتب کر کے اسے نیویارک ٹائز کے "سنڈے میگزین" میں گیارہ صفحات پر مشتمل مضمون کی شکل میں جون کے مہینے میں شائع کیا۔ مسٹر جیفری کا تعلق یہودیت اور امریکہ سے ہے اور اس نے اس مضمون میں کئی جگہ اپنے خبث باطن کا اظہار کیا ہے۔ اور اسکی کئی باتیں اور تجزیے حقائق کے منافی بھی ہیں۔ لیکن پھر بھی ہم اسے کشادہ دلی اور وسیع الظرفی کیساتھ اس رپورٹ کو من و عن شائع کر رہے ہیں۔ تاکہ مغربی ذہنیت اور امریکی عزائم کا حقیقی چہرہ بے نقاب ہو سکے۔

وقت کے ان حساس موضوعات پر مغرب کیسا اور کیا سوچتا ہے ؟ پاکستانی عوام اہل علم' جہادی تنظیموں کا اس سے آگاہ ہونا از حد ضروری ہے۔ جیفری کی یہ رپورٹ نوائے وقت کے انگریزی اخبار دی نیشن (The Nation) میں بھی قسط وار شائع ہوئی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ روزنامہ "امت" کراچی کے شکریہ کے ساتھ نذر قارئین ہے۔ ..... (ادارہ)

.....

حقانیہ مدرسہ واشنگٹن' ماسکو' نئی دہلی' یروشلم اور اسرائیل کی خاص توجہ کا خاص مرکز بن گیا ہے۔ نیویارک ٹائمز

پاکستان کے شمال مغربی سرحدی صوبہ میں درہ خیبر کے مشرق کی طرف تقریباً دو گھنٹہ کی ڈرائیو پر گرانڈ ٹرنک روڈ (جی ٹی روڈ) کے ساتھ حقانیہ مدرسہ واقع ہے۔ اس مدرسہ کا شمار پاکستان کے بڑے مذہبی اسکولوں

میں ہوتا ہے۔ اسکے کلاس روم اور راہداریاں گھاس سے ڈھکی ہوئی ۱۸ ایکڑ زمین پر پھیلی ہوئی ہیں۔ یہاں طلبہ کی تعداد ۲۸۰۰ ہے اس مدرسہ میں تعلیم کی کوئی فیس نہیں۔ رہائش اور خوراک بھی مفت ہے۔ طلبہ عموماً غریب طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے یہ مدرسہ مخیر پاکستانیوں کے علاوہ مشرق وسطیٰ کے دیندار مسلمانوں سے عطیات حاصل کرتا ہے۔

طلبہ کی عمریں آٹھ نو سال سے لے کر تیس پینتیس سال کے درمیان ہیں۔ کم عمر لڑکے کلاس رومز کے فرش پر آلتی پالتی مار کر بیٹھے ہوئے قرآن مجید حفظ کرتے نظر آتے ہیں۔ پورا قرآن حفظ کرنے میں چھ ماہ سے تین سال تک وقت درکار ہوتا ہے کیونکہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے۔ اس لئے ایک غیر اہل زبان کے لئے اسے اپنے مخرج اور لہجے کے ساتھ زبانی یاد کرنا بے حد محنت طلب ہے' طلبہ زیادہ تر پشتو بولنے والے ہیں۔ جن کا تعلق صوبہ سرحد کے علاوہ افغانستان سے ہے۔ اساتذہ طلبہ کے ساتھ فرش پر بیٹھتے ہیں۔ وہ بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور لڑکے اسے دہراتے ہیں۔ یہ مشق روزانہ چار سے چھ گھنٹہ جاری رہتی ہے۔

مغربی ممالک کے لوگ اسکا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ ہائی اسکول اور کالج کی عمر کے لڑکے اپنی زندگی کا سب سے اہم حصہ اس آٹھ سالہ کورس میں لگا دیتے ہیں جو قرآن اور حدیث کی تفسیر اور توضیحات پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ طلبہ اسلامی فقہ' اجتہاد اور اسلامی تاریخ بھی پڑھتے ہیں۔ حقانیہ میں زیر تعلیم طلبہ میں سب سے زیادہ عمر کے طلبہ جو پوسٹ گریجویٹ کورسوں میں رجسٹرڈ ہوتے ہیں۔ یہ ''مفتی کورس'' کہلاتا ہے۔ اسلام میں ایک مفتی ایسے عالم کو کہا جاتا ہے جو فتوے یا مذہبی احکام جاری کر سکے۔ ان احکامات میں عائلی یا خاندانی امور سے لے کر جہاد تک شامل ہوتا ہے۔ (اس اسکول کی انتظامیہ کے ایک کمرے میں ایسے ایک لاکھ سے زیادہ فتوے رکھے ہوئے ہیں جو گزشتہ سالوں میں جاری ہوئے ہیں)۔ اس کے علاوہ دورہ حدیث میں طلبہ کی تعداد 600 سے زائد ہے۔ حقانیہ مدرسہ کے طلبہ میں سے چند ہی اسلامی مضامین کے علاوہ کوئی اور چیز پڑھتے ہونگے۔ یہاں طلبہ کو نہ تو عالمی تاریخ پڑھائی جاتی ہے نہ میتھیمیٹکس اور نہ ہی یہاں کوئی کمپیوٹر رومز یا سائنسی تجربہ گاہیں ہیں۔ (دارالعلوم میں الحمدللہ کمپیوٹر روم بھی ہے اور زیادہ کام کمپیوٹر پر ہو رہا ہے اور حقانیہ سکول میں ایک بہترین سائنسی لیبارٹری بھی ہے اور عصری علوم کے تمام مروجہ فنون یہاں پڑھائے جاتے ہیں۔ ادارہ) حقانیہ مدرسہ درحقیقت ایک جہاد فیکٹری ہے۔ تاہم حقانیہ کوئی عجیب طرح کا مدرسہ نہیں ہے۔

پاکستان کے دس ہزار سے زیادہ دینی مدرسوں میں پڑھنے والے طلبہ کی تعداد دس لاکھ سے زیادہ ہے اور ''جہادی اسلام'' ان تمام دینی مدارس کے نصاب میں قلب کی حیثیت رکھتا ہے۔ بہت سے چھوٹے چھوٹے مدرسے دیہات میں دور دراز مقامات پر قائم ہیں جہاں طلبہ کی تعداد بیس پچیس سے زیادہ نہیں۔ بہت سے دینی

مدارس پاکستان کی مذہبی جماعتوں کے تحت کام کر رہے ہیں۔ اور بعض ان مجاہدین گروپس کے تحت ہیں جو کشمیر میں بھارت کے خلاف جہاد میں مصروف ہیں۔ حقانیہ مدرسہ کی اہمیت اسکی وسعت یا سائز کی بنا پر نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ اس مدرسہ سے طالبان کے زیادہ تر رہنما فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔ طالبان کو اسلامی تعزیرات کی سخت ترین تعبیر پیش کرنے والا مانا جاتا ہے۔ وہ اسامہ بن لادن کو ایک ہیرو تصور کرتے ہیں۔ جبکہ امریکی حکومت افریقہ میں دو امریکی سفارت خانوں پر بمباری کی ذمہ داری اسامہ پر عائد کرتی ہے۔ طالبان ایک کبھی نہ ختم ہونے والے جہاد پر یقین رکھتے ہیں اور اسی وجہ سے حقانیہ مدرسہ واشنگٹن، ماسکو، نئی دہلی اور یروشلم اسرائیل کی توجہ کا خاص مرکز بن گیا ہے۔ چنانچہ ان تمام مراکز پر یہ ریسرچ جاری ہے کہ طالبان کیا ہیں؟ اور کیا کرنا چاہتے ہیں ان تمام ملکوں کو یہ تشویش ہے کہ حقانیہ مدرسہ میں سینکڑوں افغان طلباء کے علاوہ سابق سوویت جمہوریتوں، قازقستان، تاجکستان، ازبکستان اور چیچنیا کے درجنوں طلبا بھی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ جن لوگوں نے چیچنیا میں روسی فوجوں کے ساتھ چیچن مجاہدین کو دیوانوں کی طرح لڑتے دیکھا ہے وہ عالمی افق پر ایک نئے اسلامی انقلاب کی سرخی دیکھ رہے ہیں۔ ایران کے شیعہ انقلاب کی طرح یہ سنی انقلاب بھی دنیا کو ہلا کر رکھ دے گا اور یہی وجہ ہے کہ حقانیہ مدرسہ میں غیر ملکی طلبہ کی موجودگی کو عالمی دارالحکومتوں میں نہایت بے چینی سے دیکھا جا رہا ہے۔

حقانیہ مدرسہ کے طلبہ کی اکثریت پاکستان سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ ایک ایسی تلخ حقیقت ہے جس نے امریکا، روس، بھارت اور اسرائیل کو پریشان کر دیا ہے۔ پاکستان میں اعتدال پسند مذہبی قیادت کی جگہ انتہا پسند "طالبانی طرز" کی قیادت آگے آ رہی ہے۔ پاکستان کے پاس ایٹمی ہتھیار بھی ہیں، بہت سے مسلم انتہا پسندوں کا ایمان ہے کہ ہتھیار مومن کا زیور اور جہاد کا لازمی حصہ ہے۔ چنانچہ یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ حقانیہ مدرسہ سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ کی غالب اکثریت انتہا پسند ہے۔

یہ وجہ تھی کہ میں (جیفری گولڈبرگ) گزشتہ مارچ کی ایک صبح اس مدرسہ کے چانسلر کے دفتر میں موجود تھا۔ مدرسہ کے چانسلر مولانا سمیع الحق ہیں۔ میں اس مدرسہ میں داخلہ لینا چاہتا تھا۔ میرا مقصد واضح تھا۔ میں خود دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ جہاد فیکٹری کیا تیار کر رہی ہے؟ مولانا سمیع الحق امریکہ کے سخت مخالف ہیں۔ وہ دیوبندی اسکول سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ ایک اسلامی تحریک ہے جس کا آغاز برطانوی دور اقتدار میں برصغیر میں ہوا۔ انگریزوں کے اقتدار کے خلاف چلنے والی یہ تحریک وہابی ازم کے مماثل ہے جس نے سعودی عرب پر گہرے اثرات مرتب کئے اور اسامہ بن لادن بھی اسی تحریک سے تعلق رکھتے ہیں۔ مولانا سمیع الحق اسامہ بن لادن کے گہرے دوست ہیں۔ انہوں نے تحریک طالبان کے رہنما ملا عمر کو ایک اعزازی ڈگری بھی جاری کی ہے جو اس مدرسہ کی تاریخ میں پہلی اور واحد دی گئی سند ہے۔ مولانا سمیع الحق ایک سیاستدان بھی ہیں اور جمعیت علمائے اسلام

(سمیع الحق گروپ) کے سربراہ ہیں۔ یہ سیاسی جماعت پاکستان میں اسلامی شریعت کے نفاذ کے لئے کام کر رہی ہے۔ انہوں نے ۱۹۹۸ء میں اسامہ بن لادن کی طرف سے جاری کئے جانے والے فتوے کی تائید کی تھی جس میں مسلمانوں سے امریکیوں کے خلاف کھلا جہاد شروع کرنے کی اپیل کی گئی تھی۔

میں (جیفری گولڈبرگ) جب مولانا سمیع الحق سے ملنے کے لئے پہنچا تو مجھے 20 منٹ تک ان کے دفتر کے باہر انکا انتظار کرنا پڑا۔ مجھے اتنی دیر وہاں سے گزرنے والے طلبہ کے تیز نظروں کا مسلسل سامنا کرنا پڑا۔ در حقیقت میرے لئے مولانا کے دو صاحبزادوں حامد (عمر ۳۱) اور راشد (عمر ۲۷ سال) نے ٹائم لیا تھا۔ راشد الحق مدرسہ کی ویب پیج ڈیزائننگ کے انچارج ہیں (ماہنامہ الحق کی ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں اور اسی ضمن میں ویب پیج بھی بنا رہے ہیں۔ ادارہ) اس دوران میں مدرسہ کے اساتذہ اور طلبہ کے ساتھ گفتگو کرتا رہا۔ ایک طالب علم نے حیرت انگیز طور پر ورلڈ چیمپئن شپ ریسلنگ کے ایک کردار کا حوالہ دیا جس کا نام میرے نام سے ملتا جلتا تھا۔ تھوڑی دیر میں مولانا تیز قدموں سے چلتے ہوئے آئے اور میرے برابر بیٹھ گئے۔ ان کی عمر تقریباً 65 سال کے لگ بھگ ہے۔ وہ ننگے پیر تھے۔ (مولانا اپنے کمرے سے متصل لائبریری کے قالین پر بغیر جوتوں کے تشریف لائے۔ ادارہ) اور انکے پیروں کے ناخن مٹی سے بھرے ہوئے تھے۔ (دراصل مولانا مدظلہ کے دونوں پیروں کے ناخن ایک حادثے میں ضائع ہو گئے تھے۔ نئے ناخنوں کا رنگ قدرتی طور پر مٹیالہ ہے اسی لئے مسٹر جیفری کو غلط فہمی ہوئی۔ مولانا مدظلہ کی نفاست تو معروف ہے۔ ادارہ) ان کی طویل داڑھی بھوری غالباً مہندی سے رنگی ہوئی تھی۔ ان کے سر پر پگڑی بندھی ہوئی تھی۔ انکی دو بیویاں اور آٹھ بچے ہیں۔ وہ بے حد خوش مزاج اور خوش خرم آدمی نظر آئے۔ ان کی مختصر لیکن دلچسپ گفتگو نے مجھے احساس دلایا کہ مجھے خوفزدہ ہونے کی بجائے یہاں خود کو اپنے گھر جیسا محسوس کرنا چاہیے۔ انہوں نے ایک مترجم کے ذریعہ گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ "مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان کوئی تنازعہ نہیں ہے۔" میں جانتا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں لیکن میں خاموش رہا وہ کہہ رہے تھے "اسلام اور عیسائیت کے مشترکہ دشمن یہودی ہیں۔" یہ یہودی ہی تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو سولی دینے کی کوشش کی اور اب یہودی امریکا کو اسلام کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ کلنٹن ایک سلجھا ہوا آدمی ہے لیکن وہ یہودیوں میں گھرا ہوا ہے۔ میڈیلین البرائٹ کا باپ صیہونیت کا بانی تھا۔

"میں بھی یہودی ہوں" میں نے مولانا کو بتایا۔ مولانا یہ بات سن کر ایک لمحہ چپ رہے پھر بولے "میں آپ کا بھی خیر مقدم کرتا ہوں۔" میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ مولانا نے مجھے پیش کش کی میں جتنا وقت چاہوں مدرسہ میں گزار سکتا ہوں۔ میں جس کے ساتھ چاہوں گفتگو کر سکتا ہوں۔ اور قرآن مجید بھی پڑھ سکتا ہوں۔ انہوں نے اس بات کی کھل کر وضاحت کر دی کہ انکا مدرسہ یقینی طور پر طالبان سے وابستہ ہے لیکن یہاں کوئی فوج

تربیت نہیں دی جاتی۔ مولانا سمیع الحق نے یہ بات سو فیصد درست کہی تھی۔ میں نے حقانی مدرسہ میں کہیں کوئی ہتھیار نہیں دیکھا۔ اور نہ ہی میں نے حقانیہ میں کسی کو بم بنانے کی ترکیبیں بتانے یا سکھانے پر لیکچر دیتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔ جو قریب ترین مجھے نظر آئے وہ گرانڈ ٹرنک روڈ کو پار کرنے کے بعد (یعنی علاقہ غیر) درہ خیبر کی اسلحہ ساز فیکٹریوں میں تھے' جہاں اسلحہ کی دکانوں پر ۴۰ ڈالر میں شاٹ گن اور ۷۰ ڈالر میں اے کے۔ 47 مل رہی تھی۔

دوسری جانب یہ بھی ہوا کہ جب شمالی اتحاد نے طالبان کے خلاف بڑا حملہ شروع کیا اور طالبان کو مدد کی ضرورت محسوس ہوئی تو مولانا سمیع الحق نے اپنا مدرسہ بند کر کے طلبہ کو محاذ پر بھیج دیا۔ انہوں نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ ان میں سے کتنے طلبہ محاذ سے واپس نہیں آسکے۔ میں نے موسم بہار میں حقانیہ مدرسہ کا دورہ کیا تھا۔ طلبہ سے بھرے ہونے کے باوجود یہاں غیر معمولی طور پر خاموشی اور نظم وضبط نظر آتا تھا۔ شہروں کی گہما گہمی اور بھیڑ بھاڑ یہاں مفقود تھی۔ جو بھی آوازیں سنائی دیتیں وہ اسکول کے گیٹ سے تھوڑے فاصلے پر گرانڈ ٹرنک روڈ پر چلنے والے ٹریفک کی آوازیں تھیں۔ میں نے یہاں کوئی ٹیلی ویژن انتنا یہ ہے کہ ریڈیو بھی نہیں دیکھا۔ طلبہ علی الصبح نماز فجر کے لئے اٹھتے تھے۔ یہ نماز مدرسہ کی مسجد میں ادا کی جاتی تھی۔ مدرسہ کے دالان مٹی سے لتھڑے ہوئے اور گندے نظر آئے۔ (دراصل مدرسہ کا صحن پختہ نہیں اس میں میں بجری پڑی ہوئی ہے۔ مسٹر جیفری کو یہاں بھی غلط فہمی ہوئی۔ ادارہ) یہاں کوئی کیفے ٹیریا نہیں تھا۔ طلبہ کھانا لینے کے لئے باورچی خانہ کے سامنے اپنی اپنی پلیٹیں اور چمچے لے کر لائن لگاتے تھے اور انہیں کھانے کے لئے چاول' سالن اور روٹی دی جاتی تھی۔

مدرسہ میں کوئی خاتون ٹیچر نہیں تھیں (الحمد للہ حقانیہ میں شعبہ بنات کا شعبہ مدرسہ عائشہ للبنات موجود ہے اور اس میں کئی عالمہ' قاریہ استانیاں موجود ہیں۔ ادارہ) اور نہ ہی خاتون ملازمائیں نظر آئیں بلکہ وہاں سرے سے عورتیں تھیں ہی نہیں یہاں کوئی "پیرنٹس ڈے" "فیملی ڈے" نہیں ہوتا کہ جس موقع پر طلبہ کے والدین اسکول آسکیں۔ (سہ ماہی اور ششماہی انعامات کے سلسلے میں کامیاب ہونے والے طلبا کے والدین شامل ہوتے ہیں اور اسی طرح سالانہ دستار بندی کے موقع پر والدین کے علاوہ طلباء کے پورے پورے خاندانوں کو دعوت دی جاتی ہے۔ ادارہ) پاکستان میں طلبہ کرکٹ کے دیوانے ہیں۔ یہاں بھی طلبہ میں کرکٹ سے دلچسپی نظر آئی۔ مدرسے کے باہر ایک والی بال گراؤنڈ بھی تھا جہاں طلبہ دوپہر کے بعد والی بال کھیلتے نظر آئے لیکن دن کا زیادہ بڑا حصہ اسلام اور تعلیم کیلئے وقف تھا۔ کم عمر لڑکے اور بچے مجھ میں زیادہ دلچسپی لیتے تھے وہ نظریہ جہاد سے زیادہ واقف نہیں تھے۔ گیارہ سال عمر کے دو لڑکے جو افغان مہاجر تھے نہایت دلچسپی سے ہر جگہ میرا تعاقب کرتے تھے وہ میرے ساتھ آنکھ مچولی کا کھیل کھیلتے اور خود کو اسامہ ظاہر کر کے مجھے فرضی گولیوں کا نشانہ بناتے۔ وہ

میرے جوتوں سے بے حد متاثر تھے۔ وہاں کلاس روم میں جوتے نہیں پہنے جاتے تھے اور انہیں کمرے سے باہر اتار دیا جاتا تھا۔ میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ یہ لڑکے میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ مولانا سمیع الحق کے دفتر کا کوئی نہ کوئی آدمی میرے ساتھ رہتا تھا اور میری باتیں سنتا تھا کیونکہ وہ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ میں زیادہ گہرائی میں جا کر ان لڑکوں کو کریدوں۔ (مسٹر جیفری تنہا تھے اس کی رہنمائی اور ترجمانی کے لئے ایک انگریزی جاننے والا طالب علم اس کی مدد کرنے کے لئے موجود تھا۔ پھر کئی طلباء مغربی صحافیوں سے سخت نفرت بھی کرتے ہیں تو اس کی حفاظت بھی ضروری تھی لیکن وہ مدرسے والوں کے اخلاص کو سمجھ نہیں سکا۔ ادارہ)

مدرسہ میں زیادہ چھوٹے لڑکوں کو ایک تین منزلہ عمارت میں مقفل رکھا جاتا تھا۔ جس کی حفاظت زیادہ عمر کے لڑکے کرتے تھے۔ مجھے اس عمارت میں جانے اور یہ دیکھنے کی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ کس طرح رہتے تھے۔ (یہاں بھی غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے خود مولانا راشد الحق مسٹر جیفری کو دار الحفظ لے گئے تھے اور تفصیل سے تمام شعبہ جات کا معائنہ کرایا۔ باقی دار الحفظ کا گیٹ صرف رات کو مقفل رہتا ہے۔ ادارہ) میرا تعاقب کرنے والے دو افغان لڑکوں میں سے ایک کا باپ افغانستان میں شہید ہوا تھا۔ ان کی مائیں اپنا دن کا وقت لکڑیاں کاٹنے میں صرف کرتی تھیں اور وہ انتہائی غریب تھے۔ ان کا خاندان کچھ فاصلے پر ایک افغان مہاجر کیمپ میں رہتا تھا جہاں انہیں دن میں بمشکل ایک وقت روٹی ملتی تھی۔ اس طرح یہ لڑکے خوش نصیب تھے کہ مدرسہ میں داخلے کے بعد انہیں تین وقت کھانا ملتا تھا۔ ظاہر ہے کہ حکومت پاکستان ان کو کوئی خوراک، رہائش اور تعلیم فراہم نہیں کرتی تھی۔

میں نے حدیث کی کلاسوں کا خاص طور پر مشاہدہ کیا۔ کیونکہ احادیث میں احکامات کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ حقانیہ مدرسہ میں میں نے دیکھا کہ ایک سفید داڑھی والا استاد حدیث کی کتابیں پڑھتا تھا اور طلبہ خاموشی سے سنتے تھے۔ اعلیٰ سطح کی مفتی کلاسوں میں بھی میں نے سوال جواب ہوتے نہیں دیکھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ طلبہ کو سوال کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ (دار العلوم اور تمام مدارس میں طلباً کھڑے ہو کر سوال نہیں کرتے بلکہ کاغذ کے رقعہ پر اپنا سوال اور اشکال لکھ کر استاد کی خدمت میں ادب کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور اس کا جواب باقاعدگی کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ ادارہ) ایک دن میں نے اپنے مترجم کو چھوڑ دیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ ایک بڑے ہال کے باہر ایک بڑے پوسٹر دیوار پر چسپاں تھا اس پر ایک ناریل کی تصویر تھی جس کا سفید گودا عجیب انداز میں دکھائی دے رہا تھا۔ تصویر کے نیچے اس کا کیپشن تھا جس میں لکھا تھا کہ "اللہ کا ایک معجزہ" اس ناریل کے اندر اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا ہے۔

کچھ عرصہ گزرنے کے بعد میں نے کلاسوں کے دوران امریکا کے بارے میں سوالات شروع کر دیئے

ایک دن حدیث کی ایک کلاس میں جہاں زکوٰۃ سے متعلق احادیث پڑھی جارہی تھی۔ اچانک مجھ سے سوال کیا گیا کہ اسامہ بن لادن کے بارے میں میرے خیالات کیا ہیں؟ امریکہ اسامہ کے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے؟ میں نے جواب میں کہا کہ اسامہ بن لادن کا پروگرام اسلام کی بنیادی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اسلام تو جہاد کے دوران بھی معصوم لوگوں کی جاں بخشی کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ جہاد مسلح حملہ آوروں کے خلاف جائز ہے۔ عورتوں اور بچوں کے خلاف نہیں۔ میں نے انہیں حضرت محمد ﷺ کی ایک حدیث سنائی "ابن عمر سے روایت ہے کہ ان جنگوں میں سے ایک میں ایک عورت مقتول پائی گئی تو پیغمبر اسلام (ﷺ) نے عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت فرمائی۔

ان لوگوں نے میری جانب سے حدیث کے اس حوالے کو پسند نہیں کیا اور اسامہ 'اسامہ کے نعرے بلند کئے۔ جب خاموشی ہوئی تو وہ اسامہ کے دفاع میں دلیلیں دینے لگے۔ ایک طالب علم ولی نے کہا کہ اسامہ بن لادن عظیم مسلمان ہے۔ مغرب طاقتور مسلمانوں سے خوف زدہ ہے اس لئے وہ انہیں اپنا دشمن تصور کرتا ہے۔

مجھے یہ جاننے میں بے حد دلچسپی تھی کہ ولی اسامہ بن لادن کا ایسا دیوانہ کیوں ہے؟ کیونکہ مدرسہ میں ایسا نصاب نہیں پڑھایا جاتا تھا جس میں اسامہ کے کارنامے بیان کئے جائیں۔ تاہم ایسی بہت سی کتابیں مارکیٹ میں دستیاب تھیں جن میں اسامہ بن لادن کی شخصیت اور کارنامے بیان کئے گئے تھے۔ میں نے سوال کیا کہ "اسامہ اسلام کو کفر کی آلودگیوں سے پاک رکھنا چاہتا ہے وہ ساری دنیا میں اسلام کی حکومت چاہتا ہے۔ وہ ساری دنیا کو اسلام کے تحت لانا چاہتا ہے۔ میں نے جواب میں کہا کہ قرآن میں آیا ہے کہ دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔ اعتدال پسند مسلمان اکثر اس آیت کا حوالہ دیتے ہیں۔ ولی جواب میں بولا۔ "دین میں یقیناً کوئی جبر نہیں 'لیکن مغرب مسلمانوں کو کفر کے تحت رکھنے کے لئے جبر کرتا ہے۔ چیچنیا وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔"

طلبہ نے چونکہ آج کی کلاس کو ایک سیاسی سیمنار میں تبدیل کر دیا تھا اس لئے میں نے ان سے پاکستان کے ایٹم بم کے بارے میں سوال کیا۔ اسلام پسند پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے سب سے بڑے حامی ہیں۔ سب سے بڑی مذہبی جماعت "جماعت اسلامی" سی ٹی بی ٹی پر دستخط سے روکنے کے لئے حکومت پر مسلسل دباؤ ڈال رہی ہے۔ میں نے طلبہ سے پوچھا کہ کیا اسلام میں جہاد کے دوران ایٹم بم استعمال کرنے کی اجازت ہے اسکے جواب میں ایک طالب علم نے کہا" یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ ایٹم بم بھی ہمیں اللہ کی طرف سے ملا ہے اسلئے اسے ضرور استعمال کرنا چاہیے۔" میں نے پھر سوال کیا کہ کون کون اسامہ بن لادن کو ایٹم بموں سے مسلح دیکھنا چاہتا ہے کلاس میں ہر طالب علم نے اپنا ہاتھ تائید میں بلند کر دیا۔ بعض طلبہ ہنس رہے تھے میں نے ان سے کہا کہ اگر ایٹم بم استعمال کیا گیا تو معصوم لوگ بھی ہلاک ہونگے۔

اسامہ بن لادن نے کسی معصوم شخص کو ہلاک نہیں کیا" ایک طالب علم بولا جس کا نام غازی تھا۔ "اگر اس کا ثبوت فراہم کر دیا جائے تو" میں نے کہا۔ "امریکی کہتے ہیں کہ انکے پاس ثبوت ہے تو پھر وہ یہ ثبوت طالبان کو کیوں پیش نہیں کرتے۔" میں نے جواب میں ایک مفروضہ کے طور پر کہا کہ اگر انہیں ایک ویڈیو دکھائی جائے جس میں اسامہ بن لادن کسی عورت کو قتل کر رہا ہو تو وہ کیا کریں گے۔" میرے یہ کہنے پر کلاس روم میں خاموشی چھا گئی پھر ایک طالب علم فضل رازق نے اٹھ کر کہا۔ "امریکیوں کے پاس میڈیا اور ذرائع ابلاغ کو چالاکی کے ساتھ استعمال کرنے کے ایسے تمام نسخے موجود ہیں۔ جس سے وہ اسامہ بن لادن کا سر کسی اور کے سر پر دکھا سکتے ہیں اور یہ ظاہر کر سکتے ہیں کہ اسامہ کسی عورت وغیرہ کو قتل کر رہا ہے۔"

میں نے اسامہ بن لادن کا ۱۹۹۸ء کا فتویٰ پیش کیا جو سعودی عرب میں امریکی فوجیوں کی موجودگی کے خلاف اور یہودیوں اور عیسائیوں کے خلاف جاری کیا گیا تھا جس کا ترجمہ یہ تھا۔ "یہ ہر مسلمان کا انفرادی فرض ہے کہ وہ امریکیوں اور ان کے اتحادیوں، شہریوں اور فوجیوں کو قتل کرے خواہ وہ کسی بھی ملک میں ہوں تاکہ مسجد الاقصیٰ اور مسجد الحرام (کعبہ شریف) کو ان کے قبضے سے آزاد کرایا جا سکے اور انکے خاندان کو اسلام کی سرزمین سے شکست دے کر نکالا جا سکے۔" میں نے کہا کہ "یہاں اسامہ بن لادن واضح طور پر سیاہ و سفید میں تمام امریکی فوجیوں اور شہریوں کے قتل کا حکم دے رہا ہے۔" "یہ سب امریکیوں کی جعلسازی ہے" ایک طالب علم بولا ایک اور طالب علم بولا" اسامہ نے یہ نہیں لکھا" میں نے اب آخری سوال کیا۔ آپ لوگ کیا کریں گے اگر آپکو پتہ چلے کہ سی آئی اے نے اسامہ کو پکڑ لیا ہے اور اسے مقدمہ چلانے کے لئے امریکہ لے جایا جا رہا ہے۔

ایک طالب علم جس کا نام محمد تھا اٹھ کر کھڑا ہوا اور بولا "ہم اپنی جانیں اسامہ کے لئے قربان کر دیں گے۔ ہم امریکیوں کو ہلاک کریں گے۔" "کون سے امریکیوں کو؟" میں نے پوچھا۔ "تمام امریکیوں کو" اسکا جواب تھا۔ میں جب مسجد سے باہر نکلا تو محمد اور اس کے ساتھیوں کا گروپ میرے قریب آیا اور بولا۔ "ہم چاہتے ہیں کہ آپ اسلام قبول کر لیں، ہم آپ سے محبت کرتے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی مسلمان ہو جائیں۔" اس دن بعد میں میں طلبہ کے ایک اور گروپ سے ملا۔ اس وقت طلبہ کے اساتذہ موجود نہیں تھے اس گفتگو کے دوران کافی دلچسپ مرحلے آئے۔ مثال کے طور پر جنس کے بارے میں بھی گفتگو کر رہے تھے۔ ان کی اکثریت کا خیال تھا کہ تمام امریکی Bisexual ہیں اور امریکی ہر جگہ اور ہر شے کو (چاہے انسان ہوں یا جانور) جنسی مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ امریکی بیک وقت گرل فرینڈ اور بوائے فرینڈ رکھتے ہیں اور ان میں خود لذتی کی وبا عام ہے اسکے علاوہ جنس کے موضوع پر اور کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ ایک نوجوان نے مجھے بتایا کہ وہ کابل کے قریب ایک گاؤں کا رہنے والا ہے۔ اور اس کا نام سعید ہے اسکا بھائی طالبان کی حکومت میں جج ہے اور اس نے بھی اسی مدرسہ سے سند لی

ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس کے والدین اسے اس مدرسہ میں بھیج کر کیا محسوس کرتے ہیں۔ کیا وہ جانتے ہیں کہ اسے شمالی اتحاد یا کشمیر میں بھارت کے خلاف جہاد کے لئے بھی جانا پڑے گا۔

اس نے جواب میں کہا کہ اس کے والدین جہاد پسند کرتے ہیں۔ ''وہ کیسا محسوس کریں گے اگر تم اس جہاد میں ہلاک ہو جاؤ۔'' ''وہ بے حد خوش ہونگے'' اس نے کہا'' وہ اس پر بے حد فخر کریں گے' ہر باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا بیٹا جب بھی مرے شہادت کی موت اسے نصیب ہو۔'' ''اگر تم شمالی اتحاد کے خلاف لڑو گے تو تم مسلمانوں کو قتل کرو گے۔'' ''وہ برائے نام مسلمان ہیں لیکن منافق اور غدار ہیں۔'' سعید نے کہا۔

چند دن کے بعد میری ملاقات ایک بار پھر مولانا سمیع الحق سے ہوئی تو میں نے ان سے کہا کہ ''ان کے بعض طالب علم بعض حالات میں دہشت گردی کو قابل قبول خیال کرتے ہیں۔'' ''آپ یہ نہیں سمجھ سکے کہ ہم ان کو کیا تعلیم دے رہے ہیں۔'' مولانا نے مجھے اپنے ساتھ کھانے کی دعوت دی اور کہا کہ وہ دہشت گردی اور جہاد کے درمیان فرق بیان کریں گے۔

میں نے ان سے معذرت کی کہ مجھے ہر حال میں اسلام آباد پہنچنا ہے جہاں میں نے ایک سالگرہ پارٹی میں شرکت کا وعدہ کیا ہے۔

یہ ایک خاموش دعوت تھی یہاں ایک بہت بڑا کیک تھا اور بہت بڑی تعداد میں معززین مدعو تھے جن میں پاکستان کے چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف بھی شامل تھے۔ کیک بے حد مزیدار تھا۔ یہ وینلا شیٹ کیک تھا جس پر لیمن سے یہ الفاظ لکھے تھے۔ ''یوم تکبیر کی دوسری سالگرہ'' پاکستان میں یوم تکبیر ۲۸ مئی کو منایا جاتا ہے جب پاکستان نے ایٹمی دھماکہ کیا۔ اس سالگرہ کا اہتمام پاکستان کی مسلح افواج نے کیا تھا۔

''ہم ۲۸ مئی ۱۹۹۸ء کو پاکستان کو اس عظمت سے نوازنے پر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے سر جھکاتے ہیں۔'' پاکستان کے سائنس کے وزیر ڈاکٹر عطاالرحمان نے کہا کہ پاکستان میں ہر شعبہ اور ہر قصبہ کے ہر چھوٹے بڑے چوک پر پاکستان کے بنائے ہوئے غوری میزائل کے ماڈل نظر آتے ہیں۔

مظفر آباد' ازاد کشمیر میں نصب میزائلوں کا رخ بھارت کی طرف ہے۔ پاکستان کے تین شہروں میں جہاں میں گیا چاغی کے پہاڑوں کے تیس فٹ اونچے ماڈل نصب تھے۔ اسلام آباد میں نصب ماڈل تھے۔ اسلام آباد میں نصب ماڈل برقی قمقموں سے سجا ہوا تھا جس میں پہاڑوں پر ایٹمی دھماکے کے اثرات کو نارنجی روشنیوں سے دکھایا گیا تھا بہت سے والدین اور ان کے بچے اس ماڈل کے نیچے کھڑے ہو کر اپنی تصویریں کھینچوا رہے تھے۔

پارٹی کے بعد میں روالپنڈی گیا جہاں مجھے جنرل مشرف سے ملنے کا موقع مل رہا تھا۔ جنرل مشرف اگرچہ وزیر اعظم کی تمام ذمہ داریاں ادا کر رہے ہیں لیکن وہ وزیر اعظم ہاؤس کے بجائے پاکستان آرمی کے چیف آف

اسٹاف کی قیام گاہ میں رہتے ہیں۔

جنرل مشرف کے ساتھ گفتگو کے دوران میں نے ان سے پوچھا کہ مغرب کو اس پر تشویش ہے کہ کہیں پاکستان کے ایٹمی ہتھیار فوج کے اندر یا باہر انتہاپسندوں اور بنیاد پرستوں کے ہاتھ میں نہ آجائیں۔ (پینٹاگون کی مشقوں میں امریکی جنگی پالیسی سازوں نے ایک ایسے منظر کی نقشہ کشی کی ہے جس میں پاکستان کے ایٹمی ہتھیار انتہاپسندوں کے ہاتھ میں آگئے ہیں) "یہ قطعی ناممکن ہے" جنرل مشرف نے کہا "ایسا ہونے کا کوئی امکان نہیں۔" میں نے یوم تکبیر کی تقریبات میں مذہبی جوش و خروش کا حوالہ دیا۔ خاص طور پر پاکستان کے وزیر سائنس ڈاکٹر عطاالرحمان کا کہ مغرب اس بات پر ضرور پریشان ہوگا کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ "جی ہاں' ہم ہر معاملے میں ان شاء اللہ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں اسکا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا کوئی کام اللہ تعالیٰ کی تائید کے بغیر نہیں ہوتا۔" جنرل مشرف نے کہا۔

جنرل مشرف لبرل آدمی ہیں اور ان کے نظریات بے حد ترقی پسندانہ ہیں۔ انہیں بنیاد پرست تصور نہیں کیا جاتا۔ تاہم جب انہوں نے میرے سامنے جہاد اور دہشت گردی کے الفاظ میں امتیاز کی تعریف بیان کی تو وہ مجھے اپنے لہجے اور اسٹائل سے پکے اسلامی بنیاد پرست محسوس ہوئے۔

"دہشت گردی اور جہاد دونوں دو قطعی مختلف چیزیں ہیں"۔ انہوں نے کہا "آپ لوگ مغرب میں "جہاد" کی اصطلاح سے خائف ہیں حالانکہ جہاد ایک بے حد نرم اور قابل برداشت تصور ہے۔"

میں نے جنرل صاحب سے پوچھا کہ "کیا وہ اسامہ بن لادن کو ایک دہشت گرد تصور کرتے ہیں۔"

"اگر وہ بم دھماکوں یا ہائی جیکنگ کی کاروائیوں میں ملوث ہے تو وہ قطعی طور پر دہشتگرد ہے" انہوں نے کہا۔ میں نے ان سے مزید دریافت کیا کہ کیا انہیں امریکیوں کے اس دعوے میں کوئی شبہ ہے کہ بن لادن دہشت گرد ہے۔

"اس موضوع پر طالبان کا واضح موقف ہے وہ کہتے ہیں کہ انہیں ثبوت کی ضرورت ہے جو انہیں فراہم نہیں کئے گئے ہم نے بھی امریکہ سے کہا ہے کہ وہ اس دعوے کے ثبوت فراہم کرے۔ قانونی نقطہ نگاہ سے میرے پاس اسامہ کے دہشت گرد ہونے کا کوئی ثبوت نہیں۔"

جنرل مشرف کہتے ہیں کہ انہیں طالبان کے حامی پٹھانوں کی مدد کی ضرورت ہے۔ مذہبی جماعتیں اگرچہ انتخابات میں کامیاب نہیں ہو سکیں لیکن ان کے پاس ٹھیک ٹھاک اسٹریٹ پاور موجود ہے اور جب کشمیر کا معاملہ سامنے آتا ہے تو لوگوں کی پوری ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں۔ سیکولر نقطۂ نظر سے بات کی جائے تو بھی کشمیر کی آزادی کی جدوجہد ایک نئی استعماری طاقت کے خلاف ہے لیکن آج کل اس جدوجہد کو درحقیقت جہاد کا نام دے دیا گیا ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ جیسے افغانستان میں سوویت فوجوں کے خلاف جہاد کا خاتمہ ہے تو پیشہ ور

جہادی قوتوں نے اس خطہ میں ایک نیا نصب العین اختیار کر لیا۔

جنرل مشرف خود بھی بھارت کے خلاف جدوجہد کو جہاد قرار دیتے ہیں اور پاکستان میں انگریزی اخبارات جہاد کی اصلاحات عام استعمال کرتے ہیں کشمیر میں جہاد جنرل مشرف کے لئے غیر معمولی سیاسی حمایت کا سبب ہے۔پاکستان کی سرزمین پر جہادی گروپوں اور تنظیموں کو فوجی تربیت کی پوری سہولتیں فراہم کر رہی ہے۔ روالپنڈی میں جنرل مشرف سے ملاقات کے کوئی دو ہفتہ کے بعد حکومت نے اعلان کیا وہ پاکستان کے اندر عسکری تنظیموں کی قوت کو دبائے گی اور دینی مدرسوں کے نیٹ ورک کو قومی تعلیمی معیارات کے مطابق لائے گی۔ یہ وہ دو مطالبے ہیں جو امریکی حکام فوجی حکومت سے اقتدار سنبھالنے کے پہلے دن سے کرتے رہے ہیں لیکن آرمی ہاؤس میں علی الصبح ہونے والی خوشگوار گفتگو میں جنرل صاحب مدرسوں کی قوت کے بارے میں کسی تشویش میں مبتلا دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ان کا کہنا ہے کہ "ان میں سے چند اسکول ہی عسکریت پسند میں ملوث ہیں" اسکولوں کی اکثریت انسانی بنیادوں پر خدمات انجام دے رہی ہے وہ غریب بچوں کو خوراک اور رہائش فراہم کرتے ہیں۔

جنرل صاحب نے ان جہادی تنظیموں کی سرگرمیوں کا دفاع بھی کیا جنہیں امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ دہشت گرد قرار دیتا ہے۔ ان میں مولانا فضل الرحمان خلیل کی حرکت المجاہدین بھی شامل ہے جو بھارت کے خلاف مسلح جدوجہد کر رہی ہے۔اسی تنظیم پر الزام ہے کہ اس نے بھارتی طیارہ گزشتہ دسمبر میں اغوا کیا تھا۔اس تنظیم کے تربیتی کیمپ افغانستان میں ہیں لیکن اسکے لیڈر فضل الرحمان خلیل کا دفتر روالپنڈی میں جنرل مشرف کی رہائش گاہ سے زیادہ دور نہیں ہے اور فضل الرحمان خلیل کو پاکستان میں نقل و حرکت کی پوری آزادی حاصل ہے۔"یہ لوگ دہشت گرد نہیں ہیں۔یہ جہاد میں مصروف ہیں۔" یہ جنرل مشرف کے الفاظ ہیں۔

جنرل مشرف سے گفتگو کے دو دن بعد میں روالپنڈی میں فضل الرحمان خلیل سے ملنے گیا۔ہم رات کو ایک بس اسٹیشن کے قریب چھوٹے سے دفتر میں ملے مجھے فرش پر جوتے اتار کر بیٹھنا پڑا' جہاں دیوار پر لگے ہوئے ایک پوسٹر پر بنے ہوئے کار توسوں پر "اللہ" لکھا ہوا تھا۔ خلیل نے بے حد سکون کے ساتھ بات کی اور اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ اس کے گروپ کو امریکی حکومت نے دہشت گرد قرار دیا ہے۔"ہم نے اس بات کو بے حد برا محسوس کیا۔" اس نے کہا۔اس نے اس بات کی تردید کی کہ اسکا گروپ بھارتی طیارے کے اغوا میں ملوث تھا۔اس نے اس بات کی بھی تردید کی کہ کبھی اس کے گروپ نے جہاد کشمیر کے دوران کسی شہری کو ہلاک کیا ہو۔

"کسی کو ہمارے بارے میں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ صرف اسلام کے دشمنوں کو ہم سے خوف ہے۔"اس نے کہا " کیا آپ اپنے دشمنوں کے خلاف ایٹمی ہتھیار استعمال کریں گے۔" میں نے اس سے سوال

کیا۔ "ہمارے پاس ایٹمی ہتھیار نہیں ہیں۔ کاش ہمارے پاس ہوتے اس نے مسکراتے ہوئے کہا، اگر ہمارے پاس ایٹمی ہتھیار ہوتے تو ہم ضرور انہیں استعمال کرتے لیکن یہ بے احد مہنگے ہیں"

خلیل نے بتایا کہ وہ اگلے دن افغانستان جارہا ہے جہاں اسے دوسری اسلامی جہادی تنظیموں کے رہنماؤں کے ساتھ اہم گفتگو کرنی ہے۔ ہماری ملاقات سے قبل پاکستان اخبارات نے یہ خبر شائع کی تھی کہ اسامہ بن لادن گروپ سے باڈی گارڈز حاصل کررہا ہے۔

اگلے دن میں پاکستان سے افغانستان کے شہر قندہار کیلئے روانہ ہوا۔ یہ افغانستان کا وہ شہر ہے جسے طالبان نے سب سے پہلے فتح کیا اور حقانیہ مدرسہ کے زیادہ تر طلبہ فارغ التحصیل ہو کر اسی شہر کا رخ کرتے ہیں۔ طالبان نے جب قندھار اور اسکے بعد کابل پر قبضہ کیا تو انہوں نے لڑکیوں کے اسکول بند کردیئے۔ خاتون ڈاکٹروں کو ملازمت سے برطرف کردیا اور ہم جنس پرستوں کیلئے قتل کی سزا مقرر کی۔ چوروں کو پبلک کے سامنے ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائیگی۔ (طالبان نے خواتین ڈاکٹروں کو ہسپتالوں میں کام کرنے کی مکمل اجازت دی ہے۔ باقی افغانستان میں مخلوط تعلیمی ادارے بند ہیں لیکن خواتین کے الگ تعلیمی ادارے کھلے ہوئے ہیں۔ مسٹر جیفری نے انتہائی دروغ گوئی سے کام لیا ہے۔ باقی ہم جنس پرستوں کی قتل کی سزا اسلامی قوانین کے عین مطابق دی جاتی ہے۔ ادارہ)

پاکستان سے قندھار کا راستہ بلوچستان کے صحرائی علاقے سے گزرتا ہے اور درہ خوجک عبور کرنے کے بعد میلوں تک کوئی آبادی نہیں ہے۔ قندھار سے باہر ائرپورٹ کے قریب اسامہ بن لادن کا ایک بڑا مکان ہے لیکن طالبان نے مجھے اسامہ کے مکان کے قریب جانے کی اجازت نہیں دی۔ ہم کافی دور مارکیٹ اسکوائر پہنچے جہاں ہر اتوار کو پہلوانی کے مقابلے ہوتے ہیں۔ اگر آپ صحیح وقت وہاں پہنچ جائیں تو آپ کو ملاعمر کی ایک جھلک دیکھنے کا موقع بھی مل سکتا ہے۔ جو کبھی کبھی اپنی سیاہ عینک کے تاریک شیشوں سے ان مقابلوں کی جھلک دیکھنے کیلئے رکتے ہیں۔ اگر ان کا موڈ اچھا تو وہ اپنے ذاتی محافظوں کو مقامی پہلوانوں کے ساتھ مقابلے کیلئے بھی بھیجتے ہیں۔

ہم مزید آگے گئے اور چیچن سفارت خانے کی عمارت کے سامنے سے گزرے۔ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر وہ عمارت ہے جس میں پیغمبر اسلام کا چوغہ مبارک رکھا ہوا ہے۔ یہ چوغہ سنگ مرمر کے والٹ میں رکھا گیا ہے۔ قندھار کے لوگوں کو یقین ہے کہ یہ چوغہ حضرت محمد ﷺ نے زیب تن کیا تھا اس لئے اس کی زیارت کرنے والے کو بیماری سے شفا نصیب ہوتی ہے۔ ان کو اس پر بھی یقین ہے کہ قندھار کے حاکم کو اس چوغہ کی زیارت کی وجہ سے کابل کی حکومت ملی ہے۔

حقانیہ مدرسہ میں، میں نے اس چوغہ کے بارے میں کافی گفتگو سنی تھی۔ گزشتہ 250 سالوں کے دوران اس چوغہ کو اس زیارت گاہ سے تین مرتبہ ہٹایا گیا اور احمد شاہ درانی کے ساتھی واپس قندھار لائے۔

آخری مرتبہ اسے 1994ء میں باہر نکالا گیا۔ ملا عمر نے اسے طالبان کی ایک ریلی میں زیب تن کیا۔ ملا عمر کی جانب سے اس چوغہ کے پہننے کے واقعہ کو بعض لوگوں نے توہین رسولؐ کے مترادف تصور کیا۔ تاہم لوگوں کی اکثریت نے اسے اپنا امیر المومنین مان لیا۔

زیارت گاہ کے احاطے میں جانا آسان نہیں ہے۔ طالبان نے میری رہنمائی کے لئے ایک طالب علم ملا حاجی محمد کو میرے ساتھ کر دیا تھا۔ ملا حاجی محمد حقیقت میں ملا نہیں تھا کیونکہ اس نے ابھی تک فائنل امتحان پاس نہیں کیا تھا۔ اسے اس بات پر حیرت تھی کہ میں آخر کیوں پیغمبر اسلام کا یہ چوغہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ دوسرا مسئلہ یہ بھی تھا کہ طالبان پولیس کے سپاہی جو سیاہ پگڑیوں اور سیاہ نقابوں میں ملبوس ہوتے تھے مسلسل یہاں گشت کرتے تھے۔ میں نے کوشش کی تو میرے ساتھ ایک فوٹوگرافر نینابر من تھی جو مقامی رواج کی طرح سیاہ چادر اوڑھے ہوئے تھے تاہم طالبان اسے جیمز لاپیز کی حیثیت سے پہچانتے تھے اس لئے انہوں نے ہمیں سختی سے اندر داخل ہونے سے روک دیا۔ زیارت گاہ کے باہر ایک دانت کے درد کا درخت ہے۔ جب قندھار کے لوگ اپنے دانتوں میں تکلیف محسوس کرتے ہیں تو اس مردہ درخت میں ایک کیل ٹھونکتے ہیں۔ اسے بھول ان کے دانت کا درد ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اس درخت کے تنے پر ہزاروں کیلیں لگی ہوئی ہیں۔ ہمارے ترجمان نے بتایا کہ یہ درخت دانت کے درد کیلئے شفا ہے۔ اس نے کہا وہ خود بھی اس تجربہ سے گزر چکا ہے۔ اور ایک مرتبہ اس کے دانت میں بھی درد ہوا تو اسنے ایک کیل اس درخت میں ٹھونکی' چند منٹ میں اسکا درد ٹھیک ہو گیا۔ (کچھ عرصہ قبل طالبان حکومت کی توجہ اس شرک وبدعت کی طرف مبذول ہوئی تو انہوں نے اس شرک وبدعت کی جڑ "قدیم درخت" کو اکھاڑ کر جلادیا ۔ادارہ) میں نے اس کے منہ کے اندر جھانکا۔ درحقیقت اس کے منہ میں جو دانت تھے وہ گھس گھسا کر زرد ہو چکے تھے۔ اقتدار کے چھ سال کے دوران طالبان نے جہاد تو خوب کیا لیکن افغانستان کے عوام کو طب وصحت کی سہولتیں قطعی فراہم نہیں کیں۔

اس دن میں اپنے ترجمان کے ساتھ اس زیارت گاہ کی طرف دوبارہ آیا تاکہ اسے دوبارہ دیکھنے کو کوشش کر سکوں۔ میرے ترجمان نے میرے ساتھ آنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ ہم کار کے اندر ہی بیٹھے رہیں۔ مجھے اس وقت احساس ہوا کہ وہ میرے ساتھ زیارت گاہ میں جانے سے خوف زدہ تھا۔ ہم زیارت گاہ کے بڑے دروازے تک آئے جہاں پندرہ بیس نوجوان محافظ کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں۔ میں اپنے ترجمان کی طرف مڑا کہ اسے انکے ساتھ بات چیت کے لئے کہوں لیکن وہ وہاں سے غائب ہو چکا تھا۔ زیارت گاہ کے محافظ مجھ پر سخت ناراض تھے۔ وہ بار بار مجھے "کافر" کہہ کر پکار رہے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے چار دیواری سے باہر نکال دیا۔ میں جب چار دیواری سے دور ہوا تو میرا ترجمان میرے قریب آیا اور

بولا کہ بہتر یہی ہے کہ ہم کار میں جا کر بیٹھیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا ہم اسامہ بن لادن کا مکان دیکھ سکتے ہیں۔ اس نے جواباً نفی میں سر ہلایا۔ "ملا عمر کا گھر دیکھنے کے بارے میں کیا خیال ہے۔" میں نے پوچھا "اس کی اجازت نہیں"۔ وہ بولا۔ سب سے زیادہ حیرت مجھے اس وقت ہوئی جب اس نے مجھے جہادی مدرسہ کے قریب جانے سے بھی روک دیا۔ یہ قندھار میں سب سے بڑا مدرسہ ہے۔ میرے اصرار پر وہ بولا کہ کافروں کو مدرسہ میں جانے کی اجازت نہیں۔ "لیکن قرآن میں تو کہیں نہیں لکھا کہ غیر مسلم کسی مدرسہ یا اسکول کی عمارت میں نہیں جا سکتے۔" میں نے کہا۔ "آپ کو کیسے پتہ چلا" وہ بولا۔

"کیونکہ میں نے قرآن پڑھا ہے" میں نے کہا۔ "عربی زبان میں" اس نے پوچھا۔

"نہیں انگریزی میں" میں بولا۔ "تو کیا قرآن مجید انگریزی میں بھی ہوتا ہے" وہ حیران ہو کر بولا۔

اگلے دن اپنی نقل و حرکت پر مسلسل پابندیوں اور اپنے ترجمان ملا محمد کے فتووں سے تنگ آ کر میں نے طالبان کے وزیر خارجہ سے ملا محمد کے عجیب و غریب نظریات کی شکایت کی۔

وکیل احمد متوکل کی شخصیت عجیب و غریب ہے اور ان کی داڑھی اس قدر بے ترتیب اور پھیلی ہوئی ہے کہ ان کی آنکھوں کے قریب تک پہنچی ہوئی ہے۔ تاہم وکیل احمد متوکل طالبان کے ان چند رہنماؤں میں سے ایک ہیں جو بڑی حد تک اعتدال پسند ہیں۔ اور جدیدیت کے حامی ہیں۔ تاہم ان سے کوئی بات اگلوانا بڑا مشکل کام ہے۔ چنانچہ میں نے ان سے پہلے ذاتی سوالات کئے اور پوچھا کہ ان کے کتنے بچے ہیں۔

"میرے چار لڑکے اور ایک لڑکی ہے" انہوں نے کہا۔ مجھے مزید سوال کا موقع دیئے بغیر بولے۔ "میں اپنے بچوں میں سب سے زیادہ محبت اپنی بیٹی سے کرتا ہوں"

وکیل احمد متوکل ملا محمد کے ساتھ میری پریشانی کو خوب سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہا "اس کا رویہ قابل معافی ہے" لیکن ہمارے زیادہ تر نوجوان امریکا کے افغانستان پر میزائل کے حملوں اور اسامہ بن لادن پر امریکا کے بے بنیاد الزامات کی وجہ سے امریکہ اور مغربی صحافیوں سے متنفر ہو گئے ہیں۔ گویا امریکا نے اپنی حرکتوں سے خود اپنے خلاف رائے عامہ کو تیار کیا ہے" "یہ سب کلنٹن انتظامیہ کا قصور ہے" وزیر خارجہ وکیل احمد متوکل نے اس کی وضاحت کی۔

"ہم نے امریکا کے خلاف کچھ نہیں کیا" متوکل کہہ رہے تھے "لیکن یہ امریکا کا اصرار ہے کہ ہم اس کے دشمن ہیں۔" متوکل خود بھی امریکا کو پسند نہیں کرتے۔ امریکا میں والدین اپنے بچوں سے محبت نہیں کرتے' متوکل نے مجھے مطلع کیا۔ میرا تاثر یہ تھا کہ ایک عام افغان امریکا کے بارے میں کافی گرم جوش ہے اس کی وجہ وہ امداد ہے جو امریکا نے سویت روس کے خلاف جدوجہد میں افغانوں کو فراہم کی۔ تاہم میں نے یہ گرم جوشی اپنے

ترجمان میں نہیں پائی۔ وکیل احمد متوکل سے ملاقات کے دو دن بعد میں نے ملا محمد سے پوچھا کہ وہ امریکا کے بارے میں کیا خیالات رکھتا ہے "امریکا وہ ملک ہے جو اسامہ کو قتل کر دینا چاہتا ہے" اس نے کہا "اسامہ مسلمانوں کیلئے ایک عظیم ہیرو کا درجہ رکھتا ہے"۔ "کیا امریکا کی کوئی چیز تمہیں پسند ہے" میں نے پوچھا۔ اس نے کچھ دیر تک سوچا پھر بولا "کینڈی، امریکا سے آنے والی کینڈی مجھے پسند ہے۔"

ملا محمد کی عمر 17 سال تھی اور اس کی طبیعت میں پاکستان کے اسلامی مدرسوں کے دوسرے طلبہ کا کلچر اور مزاج پایا جاتا تھا۔ میں نے طالبان کی روحانیت کو کھنگالنے کیلئے اس سے سوالات کرنا شروع کئے۔ ملا محمد قندھار میں پیدا ہوا تھا۔ لیکن اس نے اپنی عمر کا زیادہ حصہ کوئٹہ کے قریب افغان کیمپ میں گزارا۔ اس نے اپنی ساری زندگی دینی مدرسوں میں گزار دی۔ اس نے کبھی میتھ، سائنس، انگریزی، کمپیوٹر یا تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا۔ اس نے 9 سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ تاہم اسے عربی زبان نہیں آتی اور اس کی اپنی زبان پشتو ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا اس نے قرآن مجید کے علاوہ بھی کوئی کتاب پڑھی ہے تو اس نے بتایا کہ اس نے حدیث کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ دوسری کتابیں بھی پڑھنا چاہتا ہے تو اس نے جواب میں کہا کہ اسے دوسری کتابوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا عورتوں سے اس کی دوستی ہے۔ تو اس نے جواب دیا کہ وہ صرف اپنی بہنوں کو جانتا ہے۔ ان کے علاوہ کسی عورت سے واقف نہیں۔ مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اس کی ماں نے اس کے بالغ ہونے کے بعد اسے کبھی پیار نہیں کیا۔ وہ موسیقی نہیں سنتا۔ اس نے کبھی کوئی فلم نہیں دیکھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ مستقبل میں کیا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ شمالی اتحاد کے خلاف جہاد میں حصہ لے چکا ہے اور آئندہ موقع ملا تو دوبارہ حصہ لیگا۔

"اگر تم اس جنگ میں شہید نہ ہوئے تو کیا کرو گے" میں نے پوچھا۔

"میں اپنے اصل کام پر واپس چلا جاؤں گا۔" اس نے کہا۔ "تم وزارت اطلاعات میں کیوں کام کرنا چاہتے ہو" میں نے پوچھا۔ "یہ میری باقاعدہ ملازمت نہیں ہے" اس نے کہا۔

"پھر تم کیا کرو گے"۔ "میں ایک معلم ہوں اور بچوں کو قرآن پڑھاتا ہوں" اس نے کہا۔

یہ وہ علم تھا کہ جو مولانا سمیع الحق نے ایک 9 سالہ لڑکے کو منتقل کیا اور جو بھی ان کے مدرسہ میں داخل ہوتا ہے یہی سب حاصل کرتا ہے۔ مولانا سمیع الحق امریکا کے بارے میں یہ تصور رکھتے ہیں کہ امریکا پر یہودیوں کا کنٹرول ہے اور یہودی شیطان کے چیلے ہیں۔ مولانا سمیع الحق کے لئے دنیا دو حصوں میں تقسیم ہے۔ دار الحرب اور دار الاسلام۔ دار الحرب وہ جگہ ہے جہاں جنگ جاری رہتی ہے اور دار الاسلام کے معنی امن کی جگہ۔ دنیا بھر میں مسلمان دار الاسلام ہیں اور ان کے سوا ہر چیز دار الحرب ہے۔ 1980ء کے عشرے میں سوویت یونین بنیاد

پرست مسلمانوں کے لئے دارالحرب تھا اور آج کل امریکا دارالحرب ہے۔

راسخ العقیدہ اور بنیاد پرست مسلمانوں کا دشمن نمبر ایک سوویت یونین کے بعد امریکا کیسے ہو گیا۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جو امریکا کے پالیسی سازوں کے لئے نہایت غور وفکر کا حامل ہے۔ (یہ سوال تو مسلمانوں کو امریکہ سے کرنا چاہیے کہ کمیونزم کو مسلمانوں کی بدولت شکست سے دوچار کرنے والوں کو تم نے اپنا دشمن نمبر ایک کیوں ٹھہرالیا ہے؟ مسٹر جیفری الٹی گنگا بہا رہے ہیں۔ ادارہ) ایک مکتب فکر یعنی مولانا سمیع الحق کا کہنا ہے جو سمجھتا ہے کہ سارا قصور امریکہ کا ہے۔ امریکہ کی استعماریت، امریکی سماجی جنسی قدریں اور ان کی اسلامی ملکوں کو ذرائع ابلاغ کے ذریعہ برآمد اس کی اصل ذمہ دار ہے۔ دوسرے مکتب فکر کا خیال ہے کہ اسلام اپنی فطرت کی بنا پر دوسری تہذیبوں کے ساتھ مسلسل مسابقت میں ہے۔ یہ نظریہ ہارورڈ کے ایک پولیٹیکل سائنٹسٹ سیموئل ہنٹنگٹن نے پیش کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اسلام دوسری تہذیبوں یہودی ازم، عیسائیت، ہندوازم وغیرہ کا غلبہ برداشت نہیں کر سکتا اسلئے ان ازموں کے ساتھ اس کی جنگ ناگزیر ہے۔ سمیع الحق کی طرح دوسرے پاکستانی، حد یہ ہے کہ سیکولر ذہن رکھنے والے لوگ بھی کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے خلاف امریکا کی موجودہ پالیسی یہودیوں اور ہندوؤں کی سازش کا نتیجہ ہے۔ پاکستان کی انٹیلی جنس ایجنسی، آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل حمید گل نے مجھ سے کہا کہ اسرائیلی لابی (AIPAC) امریکا کی پاکستان پالیسی وضع کرتی ہے۔

"یہودیوں اور برہمنوں میں بہت سی قدریں مشترک ہیں" جنرل حمید گل نے کہا۔

"یہودی اپنے مزاج میں اعلیٰ ذات کے ہندو برہمنوں کی طرح ہیں"۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں" میں نے پوچھا۔

"دونوں سود خور ہیں" انہوں نے شائیلاک کے انداز میں دونوں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ (شائیلاک شیکسپیئر کا ایک سود خور کردار تھا۔ مترجم)

مولانا سمیع الحق کا نقطہ نظر ہے کہ امریکہ اور مغرب اللہ کے نظام کے دشمن ہیں اس لئے جہاد کیلئے تیاریوں کی ضرورت کبھی ختم نہیں ہوگی۔ جہاد ایک ایسا تصور ہے جسے مغرب نے کبھی نہیں سمجھا۔ جہاد کے معنی صرف "مقدس جنگ" نہیں ہیں۔ اس کے معنی "مسلسل جدوجہد" کے ہیں اور اسلام کے روایتی شعور کے مطابق دو قسم کے جہاد ہیں۔ بڑا اور چھوٹا۔ بڑا جہاد یہ ہے کہ جو انسان خود اپنی روح کو راہ راست پر لانے کے لئے شیطان کے خلاف کرتا ہے۔ چھوٹے جہاد سے مراد مسلح جدوجہد ہے۔

جب بھی میں کسی عام مسلمان سے ملتا ہوں تو اس سے ایک ہی سوال کرتا ہوں۔ اسلام کے لئے کون سا جہاد زیادہ اہم ہے چھوٹا جہاد یا بڑا جہاد؟ اس کا جواب مجھے یہ ملتا ہے کہ شیطانی تصورات کو کچلنے کی جدوجہد اپنی جگہ

ہے اور بیرونی حملہ آور کے خلاف مسلح جنگ اپنی جگہ۔ تاہم پاکستان اور افغانستان میں مولانا سمیع الحق اور دوسرے ملاؤں سے مجھے مختلف جواب ملا "دونوں کی مساوی اہمیت ہے۔ مسلمانوں کے دشمنوں کے خلاف جہاد ہر مسلمان کا فرض اولین ہے۔ اسلام ایسا مذہب ہے جو خود اپنا دفاع کر سکتا ہے اس لئے مسلمان کے دل کے اندر شیطان کے خلاف جدوجہد سے زیادہ مسلح جہاد ضروری ہے۔ میرے لئے یہ بے حد حیرت انگیز بات ہے، کیونکہ میں نے فلسطین میں حماس کے رہنماؤں اور مصر میں اخوان کے رہنماؤں سے اسی قسم کا سوال کیا تو ان کا جواب مختلف تھا۔

میں نے ملا عمر سے جب ملاقات کی اجازت مانگی تو انہوں نے مجھ سے ملنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ غیر مسلموں سے نہیں ملتے۔ یہ ایسی بات تھی جس کی تائید قرآن یا حدیث سے نہیں ہوتی (ملا عمر کا امریکی یہودی صحافی سے ملنے سے انکار غالباً "سیکورٹی" کی وجوہ کی بنا پر تھا۔ مترجم)۔ میں نے ملا عمر کو ایک تحریری سوال بھیجا جس میں دونوں قسم کے جہاد کے متعلق پوچھا گیا تھا۔ اپنے تحریری جواب میں انہوں نے کہا کہ دونوں جہادوں کی اپنی اپنی جگہ یکساں اہمیت ہے۔ اپنے اندر شیطانی خواہشات کے خلاف جہاد اور باہر دین کے دشمنوں کے خلاف جہاد۔ دونوں میں سے کوئی ایک جہاد اہمیت میں دوسرے سے کم نہیں۔ مولانا سمیع الحق کا کہنا تھا کہ جہاد کی کوئی حد نہیں ہے اور جہاد کے معاملے میں کمی کی کوئی گنجائش نہیں۔ "تو اس وقت جہاد کہاں جاری ہے؟" میں نے پوچھا "کیا بھارت کے خلاف؟" "جی ہاں" مولانا سمیع الحق نے کہا "کشمیر کی آزادی کی جدوجہد ایک جہاد ہے"۔

انہوں نے مزید کہا کہ جہاد سربیا، روس، اسرائیل اور شمالی اتحاد کی خلاف جاری ہے۔ انہوں نے کہا کہ سعودی عرب پر اپنی فوجیں اتارنے کے جرم میں امریکا کے خلاف بھی جہاد ضروری ہے۔ امریکی فوجی حرم شریف کی مقدس سرزمین کو اپنے ناپاک جوتوں سے روندرہے ہیں اس لئے ان کے خلاف جہاد لازم ہے۔ اس جہاد میں امریکی فوجی نشانہ ہونے چاہئیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ اپنے ہزاروں طالب علموں کو یہی تعلیم دیتا ہیں۔ تو اس نے کہا ہم اپنے طلبہ کو اسلام کی تعلیم دیتے ہیں۔ یہ کوئی فوجی اسکول نہیں۔

حق کا راز یہ نہیں کہ حقانیہ مدرسہ دہشت گردوں کی تربیت کا کیمپ ہے اور نہ ہی طالبان ایسا کر رہے ہیں۔ راز وہ ہے جو حقانیہ مدرسہ میں دو گیارہ سالہ طالب علموں نے میری طرف انگلیوں سے وی (V) کا اشارہ کر کے آشکارا کیا اور اسامہ بن لادن کی حمایت میں اپنے ہاتھ بلند کئے اور راز وہ 17 سالہ ملا محمد کی شخصیت ہے جو قرآن کے علاوہ کچھ نہیں پڑھنا چاہتا اور اس جیسے ہزاروں طالب علم پاکستان اور افغانستان میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان غریب بچوں کو دنیا کی کوئی خبر نہیں ہے اس لئے وہ موزوں ترین جہادی مشینیں ہیں۔